جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد

مولانا فیض احمد بدایونیؒ

محمد ایوب قادری بی۔ اے

ناشر

...ند قادری منیجر پاک اکیڈیمی ۱/۱۴۱ وحید آباد۔ گولی مار۔ کراچی

(قیمت ۱۲؍) (مئی ۱۹۵۷ء) (...ے)

(ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی)
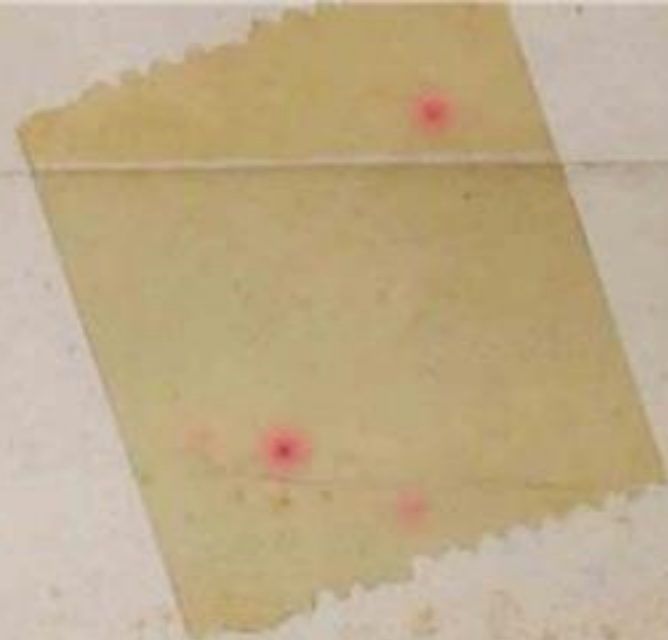
جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد

مولانا فیض احمد بدایونیؒ

محمد ایوب قادری بی اے

انتساب

یہ اوراق بدایوں کے مشہور عثمانی خاندان کے ایک سرفروش اور کفن بردوش مجاہد حضرت مولانا فیض احمد بدایونی کی داستانِ حیات پر مشتمل ہیں۔ جنھوں نے جہاد حریت ۱۸۵۷ء میں ملک و ملت کی آزادی کے لئے جان عزیز تک قربان کر دی ہیں اس ناچیز تالیف کو اسی خاندان کے ایک علم دوست اور معارف پرور نوجوان صاحبزادہ مولوی **عبدالمجید اقبال میاں** قادری بدایونی کے اسم گرامی پر معنون کرنے میں مسرت محسوس کرتا ہوں۔

محمد ایوب قادری

۱۷ مئی ۱۹۵۷ء

پیش لفظ

حضرت الحاج مولانا مولوی محمد یعقوب حسین ضیاء القادری البدایونی دام ظلہم العالی

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ عام طور سے صحیح اقدار پر مرتب نہیں ہوئی اور انقلاب ۱۸۵۷ء
کی تاریخ تو خاص طور سے مسخ کی گئی۔ اس انقلاب کو انگریزوں نے صرف سپاہیوں کی ایک غیر منظم
سازش اور بغاوت سے تعبیر کر کے اہالیان برصغیر کو ظالم، جابر، لٹیرا، باغی، مذہبی دیوانہ، اور
غیر مہذب ٹھیرایا۔ اور خود کو رحمدل، مہربان، محافظ، عادل، بردبار اور تہذیب یافتہ قرار دیا
اور اس طرح اس منظم اور ہمہ گیر تحریک کو بدنام کیا گیا جب کہ اگر ایک طرف امراء و روساء، سپاہ و فوج
کے ساتھ پیش پیش تھے تو دوسری جانب علماء و فقراء اور شعراء بھی عوام کے ساتھ غیر ملکی اقتدار
سے ملک و قوم کو آزاد کرانے کی پوری پوری کوشش کر رہے تھے۔

کس کو معلوم تھا کہ پوری ایک صدی کے بعد اس انقلاب ۱۸۵۷ء کی مکمل اور مفصل
تاریخ مرتب کی جائے گی اور اس وقت ان مجاہدوں اور سپاہیوں کے حالات کی تلاش ہوگی۔
جن کی مجاہدانہ سرگرمیاں مصلحت وقت کی نذر ہوگئیں۔

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے بلند پایہ سہ ماہی علمی مجلہ "العلم" میں اسی تحریک آزادی
۱۸۵۷ء کے ایک ممتاز مجاہد مولانا فیض احمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر مشتمل عزیزی محمد ایوب
قادری بی اے سلمہم اللہ تعالیٰ کا ایک گرانقدر مقالہ شائع ہوا۔ جو نہ صرف پاکستان کے علمی حلقوں
میں پسند کیا گیا بلکہ ہندوستان کے مشہور موقر روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی نے بھی اس کو اپنی مسلسل

دو اشاعتوں میں شائع کیا۔

بدایوں کے اسی عثمانی خاندان کے ایک ممتاز رکن صاحبزادہ مولوی عبدالمجید اقبال میاں دامت برکاتہم نے اس مقالہ کو علیحدہ کتابی شکل میں شائع کرنے کی سب سے پہلے ضرورت محسوس کی اور فاضل مقالہ نگار کو اس پر آمادہ کیا۔ اب یہ مقالہ بعد نظر ثانی کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

آخر میں ہم صاحبزادہ اقبال میاں دام ظلہم العالی سے درخواست کرتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے اس مقالہ کی اشاعت کی طرف توجہ فرمائی ہے اسی طرح وہ اپنے اکابر کی دوسری تصانیف کو بھی شائع کر کے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کریں گے۔

فقیر ضیاء القادری البدایونی غفر اللہ لہٗ

۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء

مولانا فیض احمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

قوموں کی زندگی میں بعض واقعات بڑے دوررس نتائج کے حامل ہوتے ہیں اوران کا ذکر بسا اوقات مردہ قوتوں کے احیاء کا سبب ہوتا ہے۔ مگر ہماری تاریخ میں غیر ملکی اقتدار کی وجہ سے نہ صرف واقعات سے چشم پوشی کی گئی۔ بلکہ مصلحت وقت سے بعض واقعات کو اس طرح پیش کیا گیا کہ صورت ہی مسخ ہوگئی اور تاریخ کی ترتیب بڑے غلط طریقہ پر ہوئی۔ اب جبکہ انگریز کا منحوس قدم جا چکا ہے تو ایسی کوشش ہونی چاہیئے کہ تاریخی حقائق اپنے اصلی خدوخال میں مرتب ہوں اور ایسے اثرات جو غلط تاریخ نویسی کی وجہ سے ہمارے دماغوں میں سما گئے ہیں صحیح واقعات لکھ کر ان کو زائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور آئندہ نسلوں کے لئے اسلاف کی تاریخ کا ایک ایسا خاکہ پیش کیا جائے جس کے مطالعہ سے قوم میں اپنی شاندار روایات کو قائم رکھنے کا جذبہ اور قوت عمل پیدا ہو۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے حالات صحیح طور سے مرتب نہیں ہوئے۔ انگریز کے ڈر کی وجہ سے مجاہدین کی کوششوں کو خاص طور سے چھپایا گیا اوران کے تعلق سے برات ظاہر کی گئی۔ اب قیام پاکستان کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ تاریخ کی ترتیب و تدوین پھر نئے سرے سے ہورہی ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی تاریخ کے سلسلے میں مجاہدین کے کارناموں کی تلاش ہورہی ہے۔ ان کی کوششوں کو سراہا جارہا ہے ان کی قربانیوں کی بنا پر ان کو خراج عقیدت پیش کیا جارہا ہے۔ ممکن ہے بعض ایسے

لاحاصل" سمجھیں لیکن حقیقت میں اسی جذبہ پر قومی عزو وقار کی ٹھوس بنیاد قائم ہے۔

ان سطور کو عنوانِ تمہید بناتے ہوئے یہاں جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایک بہادر اور جانباز مجاہد مولانا فیض احمد بدایونی کا ذکر کرنا مقصود ہے جنہوں نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لے کر ملک و قوم پر اپنی جان فدا کر دی اور بقائے دوام حاصل کی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را
بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

(حضرت مظہر جانجاناںؒ)

خاندان:۔ مولانا فیض احمد کا تعلق بدایوں کے مشہور عثمانی خاندان سے تھا۔ اس نامور خاندان کے بزرگ اسد محمد دانیال قطری لاہور و دیوبند ہوتے ہوئے عہد شمسی میں بدایوں آ کر عہدہ قضاء پر متمکن ہوئے اس خاندان میں ہر زمانہ میں نامی گرامی عالم و فاضل پیدا ہوئے جنہوں نے عہدۂ افتاء و قضاء کو زینت بخشی ہے۔ قاضی رکن الدین (المقتول سنہ ۶۳۱ھ / ۱۲۳۴ء) قاضی سعد الدین المعروف بہ قاضی سعد بے گواہ (المتوفی سنہ ۶۷۷ھ / ۱۲۸۸ء) مولوی مرید محمد (المتوفی سنہ ۱۰۹۹ھ / ۱۶۸۷ء) مفتی عبد الغنی (المتوفی سنہ ۱۲۰۱ھ / ۱۷۹۴ء) بحر العلوم مولانا محمد علی (المتوفی سنہ ۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۲ء) مفتی محمد عیوض بدایونی ثم بریلوی؛ مولانا عبد المجید (المتوفی سنہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء) مولانا فضل رسول (المتوفی سنہ ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) مولانا عبد القادر (المتوفی سنہ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) مولانا عبد المقتدر (المتوفی سنہ ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۹ء) مولانا حکیم عبد القیوم (المتوفی سنہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) اور مولوی حکیم عبد الماجد (المتوفی سنہ ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء) وغیرہ وغیرہ اپنے اپنے عہد میں اس خاندان کی نامور ہستیاں گذری ہیں۔

مولانا فیض احمد کے بزرگوں میں مولوی مرید محمد بن ملا عبد الشکور نے عہد عالمگیری میں قوم نانگہ سے زبردست جہاد کیا جبکہ انہوں نے سورج کنڈ (بدایوں) کے مقام پر عہد غزنوی کی تعمیر شدہ ایک مسجد کو شہید کر دیا تھا۔ مولوی مرید محمد نے اپنے مدرسہ کے طلباء نیز دوسرے لوگوں کے ہمراہ موقع پر پہونچکر مفسدین کو کیفر کردار کو پہونچایا اور مسجد کو دوبارہ تعمیر کرا دیا۔[۱]

---

[۱] اکمل التاریخ حصہ اوّل و خطبۂ صدارت مدرسہ قادریہ مرتبہ شیخ احترام الدین رئیس شیخوپور۔

بیسویں صدی کے آغاز میں آریہ سماج نے اس مقام پر گروکل تعمیر کیا مسلمانان محلہ نئی سرائے (بدایوں) نے اس مسمار شدہ مسجد کے قیام و تحفظ کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر ایک مسلم منصف "مرزا قسیم بیگ چغتائی" کے فیصلہ سے یہ مسجد ہمیشہ کے لئے اس مقام سے ختم ہو گئی۔

اسی طرح مفتی محمد عیوض بن مفتی درویش محمد بدایونی۔ مفتی بریلی نے سب سے پہلے روہیل کھنڈ میں انگریزوں سے ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء میں جہاد کیا۔ مفتی محمد عیوض کی قیادت میں بہت قلیل عرصہ میں بریلی، پیلی بھیت رامپور، آنولہ، سرولی، شیر گڈھ اور شاہجہانپور سے قریب پانچ ہزار سے متجاوز مجاہدین جمع ہو گئے میدان شہر کہنہ متصل زیارت حضرت شاہ دانا ولیؒ میں معرکہ عظیم ہوا۔ اوّل مجاہدین کا پلہ بھاری رہا۔ آخر میں انگریزوں کی مراد آباد سے نئی تازہ دم فوج پہونچ گئی اور انگریز کامیاب ہوئے۔ مفتی محمد عیوض دوسرے سربرآوردہ حضرات کے ساتھ ٹونک تشریف لے گئے۔ نواب امیر خاں والی ریاست نے بڑی قدر و منزلت فرمائی اور وہیں مفتی صاحب کا انتقال ہوا۔ غرض یہ حریت و آزادی کے اثرات تھے[1]

مولانا فیض احمد کے پردادا بحر العلوم مولانا محمد علی عالم اجل و فاضل بے بدل تھے مولانا قاضی مستعد خاں دہلوی اور قاضی مبارک گوپاموی (المتوفی ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۸ء) سے علم منقول و معقول حاصل کیا۔ دہلی و بدایوں میں ایک مدت تک درس دیا۔ نواب آصف الدولہ نے چند قطعات آراضی اور موضع شادی پور کی سند دی جس پر مولانا فیض احمد کے صاحبزادے حکیم سراج الحق کے زمانہ تک عمل رہا[2] مسجد خرما و مدرسہ قادریہ کی مرمت و تعمیر کرائی۔ ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۲ء میں انتقال کیا۔ مولانا بحر العلوم کا وصال لکھنؤ میں ہوا۔ جنازہ بدایوں لایا گیا عیدگاہ شمسی بدایوں جانب شمال دفن ہوئے۔ ان کے صاحبزادے مولوی شمس الدین

---

[1] مفتی محمد عیوضؒ کے متعلق راقم کا ایک تفصیلی مقالہ العلم کراچی اپریل ۶۵ء میں شائع ہوا ہے۔

[2] اکمل التاریخ جلد اوّل۔

(مولانا فیض احمد کے دادا) فقہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ آپ کو بھی معافیات و آراضیات کی سندات نوابان اودھ وغیرہ سے حاصل تھیں۔[۵] شرح وقایہ پر آپ نے حاشیہ لکھا ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء میں اپنے والد کے سامنے انتقال کیا۔ مولانا شمس الدین کے صاحبزادے مولانا حکیم غلام احمد نے (مولانا فیض احمد کے والد) علم منقول و معقول علمائے بدایوں سے حاصل کیا۔ اور اس کے ساتھ فن طب میں کمال حاصل تھا۔ ہزاروں مریض آپ سے شفا پاتے تھے۔ بڑے خوشنویس اور تیر انداز تھے۔ نواب ڈھاکہ کے یہاں مرشد آباد میں ملازم تھے اور وہیں ۵ ذی الحجہ ۱۲۲۶ھ میں انتقال کیا۔ ملفوظات معینی میں آپ کے متعلق تحریر ہے۔[۵۲]

" مولوی غلام احمد فاضل و حکیم و حافظ و خوشنویس و تیر انداز بود۔"

مولانا فیض احمد کے نانا حضرت مولانا عبدالمجید فاضل زمانہ و عالم یگانہ تھے۔ بحرالعلوم مولانا محمد علی و مفتی عبدالغنی سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور پھر ملک العلما مولانا نظام الدین سہالوی بانی سلسلہ نظامیہ کے شاگرد مولانا ذوالفقار علی ساکن دیوہ سے علوم منقول و معقول حاصل کئے۔ اور حضرت اچھے میاں مارہروی (المتوفی ۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء) سے اجازت و خلافت تھی۔ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء میں انتقال کیا۔ مولانا فیض احمد کے ماموں مولانا فضل رسول ابن مولانا عبدالمجید بھی بڑے عالم و فاضل تھے۔ مولانا نور الحق فرنگی محلی (المتوفی ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء) حکیم ببر علیخاں موہانی۔ شیخ عبداللہ مکی، شیخ عابد مدنی (المتوفی ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء) وغیرہ سے مختلف علوم و فنون کی تحصیل فرمائی۔ کچھ دنوں سر رشتہ دار عدالت بدایوں رہے۔ آپ کو "رد وہابیت" میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں سیف الجبار اور بوارق محمدیہ خاص طور سے مشہور رہیں۔ آپ کے تلامذہ کا سلسلہ وسیع ہے۔ آپ کے شاگردوں میں مولوی خرم علی بلہوری، مولوی عنایت رسول چریاکوٹی۔ مولوی سخاوت علی جونپوری اور

---

[۲۱] اکمل التاریخ جلد اول۔

مولوی عبدالفتاح گلشن آبادی۔ اور مولوی فیض احمد بدایونی خاص شہرت رکھتے ہیں۔ انتقال ۱۲۸۹ھ ۱۸۷۲ء میں ہوا۔[۱]

پیدائش :- مولانا فیض احمد بن حکیم غلام احمد مولوی محلہ شہر بدایوں میں ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے خدا کی قدرت کہ آپ کی عمر قریب تین سال کے ہوگی کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ اور یتیمی کا داغ لگا۔ مگر آفریں آپ کی والدہ کو جنھوں نے آپ کی تربیت باحسن وجوہ فرمائی کیوں نہ ہو آخر ایک عالم و شیخ کی بیٹی تھیں۔

تعلیم و تربیت :- مولانا کو قدرت نے شروع ہی سے وہ دل و دماغ بخشا تھا کہ جس پر آپ کے ہمدرس طلباء کو رشک آتا تھا۔ جو چیز ایک دفعہ پڑھ لی یاد ہوگئی۔ اور ایک مرتبہ نظر سے گذر گئی دل پر نقش ہوگیا۔ تحقیق و تدقیق آپ کا حصہ تھا۔ اہل خاندان خیال کرتے تھے کہ مستقبل قریب میں یہ بچّہ فخر خاندان ہوگا۔

بالائے سرش ز ہوشمندی　　می تافت ستارۂ بلندی

والدہ نے اس ہونہار بچّے کو اپنے بھائی مولانا فضل رسولؒ کے سپرد کردیا۔ آپ نے نہایت محبت اور ناز و نعم سے پرورش فرمائی۔ مولانا فیض احمد نے تمام علوم منقول و معقول اپنے ماموں اور شفیق استاد مولانا فضل رسولؒ سے صرف چودہ سال کی عمر میں حاصل فرمائے اور پندرھویں سالگرہ سے قبل آپ کو اجازت درس مل گئی۔ دوسرے فنون مروجہ خطاطی شعر و شاعری وغیرہ میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا۔ ایک قلیل عرصہ میں آپ کا شہرہ ہوگیا اور تشنگان علم نے اس منبع علم و فضل کی طرف رخ کیا۔ مولانا فضل رسول آپ کی لیاقت و قابلیت پر مہر تصدیق ثبت فرماتے ہوئے ملفوظات معینی میں لکھتے ہیں۔

---

[۱] مولانا فضل رسولؒ کے حالات طوالع الانوار، تحفۂ فیض، بوارق محمدیہ، اکمل التاریخ کے علاوہ تذکرۂ علمائے ہند قاموس المشاہیر اور Biog raphical Dictionary میں بھی درج ہیں۔

"بفضلِ تعالےٰ فیض احمد مذکور کہ ہمشیرزادہ و نور دیدہ و لختِ دل و قوتِ بازوئے
خاکسار است جامع کمالاتِ انسانی است در علوم مروجہ بر معاصرین بالادست.
و عقیدت محبت صحیحہ با محبان و محبوب خدا دارد۔ اللھم زد اثر طلبین الکمالی کہ
دارد ہمینکہ بخدمات جلیلہ حکام دنیا تضیع اوقات می کند۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر
فرماید چونکہ حبل المتین محبت دوستان خدا دارد امیدِ ما است۔

صاحبِ تذکرہ علمائے ہند" مولوی رحمٰن علی "لکھتے ہیں۔[2]

مولوی فیض احمد بدایونی بن حافظ غلام احمد بن مولوی شمس الدین بن مولانا
محمد علی بدایونی ولادت وے در عدد دوازدہ صد و بست و سہ ہجری رو داد
جملہ علوم عقلی و نقلی بخدمت خال خود مولوی شاہ فضل رسول بدایونی بکمال
تحقیق و تدقیق تحصیل نمودہ مرید مولانا شاہ عبد المجید جد مادری خود بود
تشریح کمالاتِ علمیہ و حالات قدسیہ وے دریں مختصر گنجائش ندارد" ص۱۶۵، ۱۶۶

بیعت:۔ جب مولانا نے علوم ظاہری سے فراغت حاصل کر لی تو علوم باطنی کا خیال آیا حضرت اچھے میاں مارہرویؒ کے خلیفہ اجل آپ کے نانا حضرت مولانا عبد المجیدؒ مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز تھے۔ آپ نے سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں اپنے نانا صاحب سے بیعت فرما کر علوم باطنی کی تکمیل کی۔

درس و تدریس:۔ آپنے جب مسند درس کو سنبھالا تو ایک عالم مستفید ہوا۔ طلبائے ایک خاص تعلق ہوتا تھا۔ ان کی خبر گیری اور بسا اوقات ان کی مدد کرنا آپ کے معمولات سے تھا۔

---

[1] بحوالہ اکمل التاریخ جلد اول ص۶۰

[2] یہی خیالات کا اظہار تحفہ فیض مولانا عبد القادر صاحب بدایونی اور بوارق محمدیہ مصنفہ فضل رسول صاحب کے آخر میں قاضی معین الدین میرٹھی نے مولانا فیض احمد بدایونی کے متعلق کیا ہے۔

دوران ملازمت میں بھی آپ طلباء کو درس دیتے تھے - اور یہ اس دور کی خصوصیات سے تھا - آپ کے تلامذہ کا شمار دشوار ہے بدایوں کے مقامی تلامذہ میں مولوی صبیح الدین عباسی، قاضی شمس الاسلام، مولوی سید دولت علی نقوی تبائی - مولوی حکیم غلام سندر، مولوی محمد اسحٰق صدیقی - مولوی محمد بخش صدر الصدور، مولوی علی بخش خاں صدر الصدور - مولوی محمود بخش صدر الصدور - مولوی کرامت اللہ منصف، مولوی محمد حسین، مولوی نجابت اللہ خلیفہ غلام حسین - مولوی نذیر احمد، مولوی محمد سعید، مولوی نور محمد وغیرہ خاص طور قابل ذکر ہیں[۱] - بیرونجات کے شاگردوں میں مولوی سید احمد حسن عرشی قنوجی - مولوی عبدالصمد قنوجی - مولوی فضل احمد فرخ آبادی - مولوی سراج احمد و اولاد احمد سہسوانی کے نام ملتے ہیں -

آگرہ میں دوران ملازمت جنہوں نے تعلیم پائی - ان میں مولوی سید اولاد علی اکبرآبادی اور مولوی باسط علی کے نام نمایاں ہیں -

ملازمت :- آغاز ملازمت کی تاریخ کا صحیح تعین نہ ہو سکا مگر خیال ہے کہ کچھ دنوں مسند درس بدایوں سنبھالا چونکہ آپ کے ماموں صاحب سر رشتہ دار رہ چکے تھے - لہذا اسی تعلق کی بنا پر آپ نے بھی انگریزی ملازمت اختیار کی ہوگی - اور پھر اہلیت و قابلیت کے اعتبار سے آپ اس کے مستحق بھی تھے بدایوں کے ایک رئیس چودھری تفضل حسین فاروقی[۲] (ولد محمد اعظم) زمیندار سرائے چودھری کے ایک خاندانی قضیہ کے تصفیہ میں پنچایت میں دوسرے عمائدین کے ساتھ ساتھ مولانا فیض احمد صاحب کی بھی مہر راقم کی نظر سے گذری - یہ واقعہ و فیصلہ ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء کا ہے - اس سے خیال گزرتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس وقت تک قیام بدایوں ہی ہو - اگرچہ یہ یقینی نہیں لیکن اس سے یہ امر تو واضح ہے کہ شہر کے معاملات

---

[۱] یہ بدایوں کے نامور اور مشہور لوگ گذرے ہیں - ان کے حالات اکمل التاریخ نیز بدایوں کے دوسرے خاندانی تذکروں میں موجود ہیں -

[۲] محلہ چودھری سرائے کے رئیس تھے غدر میں حصہ لیا - انگریزی تسلط ہونے پر روپوش ہو گئے - ایک گھوڑے پر سوار جنگلوں میں گھومتے پھرتے - ساتھی آبادی میں جا کر کھانے کا انتظام کر لاتا مگر جائیداد نیلام ہو گئی - عام معافی پر ظاہر ہوئے - ۱۸۹۳ء میں انتقال کیا - آپ کے پوتے معز حسین ولد مقدس حسین کراچی (فاروق آباد) میں مقیم ہیں -

نزاعی میں آپ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ اور آپ ان کو باحسن وجوہ نبٹاتے تھے۔ آپ کی مہر بشکل مستطیل تھی اور اس میں "فیض احمد" مندرج تھا۔

آپ کے آغاز ملازمت کے سلسلہ میں صاحب اکمل التاریخ بھی خاموش ہیں۔ اور "تحفہ فیض" میں تو صرف اشارہ ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ ملازمت کا آغاز بدایوں ہوا ہو جو زیادہ قرین قیاس ہے پھر آپ آگرہ پہونچے ہوں۔ آگرہ اس وقت صوبہ کا صدر مقام تھا۔ صدر نظامت آگرہ میں اول آپ مسل خواں پھر پیشکار رہے اور آخر میں بورڈ آف ریونیو میں سررشتہ دار ہو گئے۔ فرائض منصبی نہایت دیانت محنت اور راستبازی سے انجام دیتے تھے۔ حکام بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے[1]۔ اسی زمانہ میں ولیم میور نے جو کہ وہاں مجسٹریٹ علاقہ فوج تھا اور بعد کو لفٹنٹ گورنر صوبہ یو۔پی (۱۸۶۸ء-۱۸۷۴ء) ہوا۔ آپ سے عربی پڑھی۔ اس متعصب انگریز گورنر یو۔پی نے کذب و افترا سے بھری ہوئی کتاب "لائف آف محمد" لکھی۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر ناروا حملے کئے ہیں۔ اور جس کا جواب بڑے مدلل طریقے پر سرسید احمد خاں نے دیکر اس وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا۔

قیام آگرہ:- مولانا فیض احمد نے اخلاق بڑا وسیع پایا تھا اہلیان وطن کی آپ بڑی مدد کرتے تھے۔ بدایوں کا جو شخص پہنچا اور جس کام میں مدد کا خواستگار رہا۔ اس کی حتی الوسع امداد کی۔ قیام و طعام کی کفالت کرتے۔ بعض اوقات ان مصارف کے لئے قرض کی ضرورت ہوتی۔

صاحب اکمل التاریخ لکھتے ہیں۔

"باوجود ثروت و وقار کے دل فقیرانہ، مزاج شاہانہ تھا، فقرائے محبت

---

[1] اکمل التاریخ جلد اول۔

غربا سے اُلفت، طلبا کے شائقین اور علم کے شیدائی تھے، شاگردوں کی تمام ضروریات کے خود متکفل ہوتے تھے۔ سلسلہ درس و تدریس اقامت آگرہ میں برابر جاری رہا۔

آگرہ اس وقت علمار فضلار کا مرکز تھا۔ مفتی انعام اللہ خاں وکیل سرکار، مولوی کریم اللہ خاں صدر الصدور۔ مولانا قاسم داناپوری۔ مولانا غلام امام شہید۔ مولوی امام بخش وکیل صدر۔ مولوی حافظ ریاض الدین مفتی شہر شیخ محمد شفیع اللہ آبادی۔ مولوی منصف علی وکیل۔ مولوی عظیم الدین، مولوی محمد باسط علی۔ مولوی محمد معین الدین۔ مولوی شیخ اعتقاد علی وکیل۔ مرزا اسد علی بیگ وکیل۔ سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی۔ مفتی عبد الوہاب۔ گوپاموی مولوی نورالحسن، سید رحمت علی۔ مولوی طفیل احمد خیرآبادی۔ مولوی فیض احمد بدایونی اور مولوی ڈاکٹر وزیر محمد خاں۔ جیسے حضرات موجود تھے۔ اور جن کی نشست اکثر مفتی انعام اللہ خاں کے یہاں ہوتی تھی۔ مفتی صاحب کا مکان اہل علم کا مرکز بنا ہوا تھا۔ درصل اس وقت آگرہ میں ان حضرات کے اجتماع پر آسمان کو بھی رشک آتا ہوگا۔ آخرالذکر حضرات مولانا فیض احمد اور ڈاکٹر وزیر خاں میں بہت خصوصی تعلقات تھے۔ دونوں بڑے فاضل اور علم و فضل کے شیدائی تھے طبائع کی مناسبت اور خیالات کی یکسانیت نے دونوں کو اتنا قریب کر دیا تھا کہ مثل ایک جان دو قالب کے تھے ہر کام میں ایک دوسرے کے معین مددگار اور سہیم و شریک رہتے تھے اور یہ پیمان وفا ایسی نیک ساعت میں بندھا تھا کہ آخر دم تک مولانا فیض احمد اور ڈاکٹر وزیر خاں ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور پھر دونوں نے مفقود الخبری کی چادر اوڑھ کر انگریزی حکومت کو منہ نہ دکھایا۔

لہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علمار

مناظرہ مابین مولوی رحمت اللہ کیرانوی اور پادری فنڈر

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے ہمدوش مذہب عیسوی نے بھی فروغ حاصل کیا اور ہر ممکن صورت سے اس مفتوح ملک کو مذہبی حیثیت سے بھی فتح کرنے کی کوشش کی کمپنی کی تائید و اعانت سے مذہب مسیحی کی تنظیم اور ترقی عمل میں آئی ملک کے طول و عرض میں ہر جگہ اس تنظیم کے آثار قائم کیے گئے چرچ مشن سوسائٹی، بائبل سوسائٹی، مشن فنڈ، مشن اسپتال، مشن کالج اور مدارس جا بجا قائم ہوئے۔ مذہبی کتابوں اور رسائل، کی اشاعت کے ذریعہ ہندوستانیوں کے رجحانات و عقائد بدلنے کی کوشش کی گئی۔ غرض یہ وہ زمانہ تھا کہ عیسائیوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری کر رکھی تھی۔ ۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر (REVD. C. C. P. FONDAR) یورپ سے ہندوستان آیا۔ یہاں اس نے اور اس کی جماعت نے دل شکن تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اس کی کتاب "میزان الحق" نے خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا۔ پادری فنڈر نے آگرہ کو مناظرہ کا گڑھ ٹھہرایا۔ کیونکہ آگرہ ہی اس وقت علماء کا مرکز تھا اس کا خیال تھا کہ اگر یہاں کسی طرح فتح ہو گئی تو عیسائیت کی تبلیغ میں بڑی مدد ملے گی۔ اس نے مشاہیر علماء کو چیلنج دیا مجلس علماء میں مشورہ ہوا۔ مولانا فیض احمد کے دوست ڈاکٹر وزیر خاں نے چیلنج قبول کر لیا، اور مذہب عیسوی کے مشہور ماہر و مناظر مولوی رحمت اللہ کیرانوی[1] جو کچھ عرصہ سے پادری مذکور سے خط و کتابت کر رہے تھے بلائے گئے انہوں نے پہلی اپریل آگرہ میں قیام کیا۔

---

[1] رحمت اللہ خاں خلیل اللہ عرف خلیل الرحمن ولد حکیم نجیب اللہ قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر محلہ دربار کلاں میں ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی پھر دہلی مولوی محمد حیات صاحب اور لکھنؤ مولانا سعد اللہ مراد آبادی۔ مولانا احمد علی صاحب ساکن بڈولی ضلع مظفر نگر اور مولانا عبد الرحمن چشتی وغیرہ سے علوم معقول و منقول حاصل کئے۔ رد عیسائیت میں مناظر کامل تھے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور وہیں ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ میں انتقال ہوا۔

ضروری انتظامات کے بعد ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء بروز پیر کو عبد المسیح آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس ہوا۔ اہل اسلام کی جانب سے مناظر اول مولوی رحمت اللہ عثمانی کیرانوی اور مناظر دوم ڈاکٹر وزیر خاں تھے۔ جن کے معین و مددگار مولانا فیض احمد بدایونی تھے۔ عیسائیوں کی طرف سے مناظر اول پادری فنڈر اور مناظر دوم پادری فرنچ تھے مجلس مناظرہ میں مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی، مسٹر کرسچن سکنڈ۔ صوبہ بورڈ مسٹر ولیم میور مجسٹریٹ علاقہ فوج۔ مسٹر لیڈل ترجمان حکومت پادری۔ ولیم گلبن مفتی ریاض الدین۔ مولوی حضور احمد سہسوانی۔ مولوی امیر اللہ مختار۔ راجہ بنارس۔ مولوی قمر الاسلام امام جامع مسجد آگرہ۔ منشی خادم علی مہتمم مطلع الاخبار۔ مفتی سراج الحق۔ مولوی کریم اللہ خاں بچھرایونی۔ پنڈت جگل کشور۔ راجہ بلوان سنگھ (بنارس) قاضی حکیم فرزند علی گوپاموی۔ مولوی سراج الاسلام نیز اور بہت سے علماء عمائدین اور روسائے شہر موجود تھے [1] شرائط مناظرہ میں یہ خاص شرط تھی کہ مغلوب کو غالب کا مذہب اختیار کرنا ہوگا۔ دو [2] روز تک مناظرہ ہوا۔ پادری فنڈر کو انجیل کی تحریف کا اقرار کرنا پڑا۔ اور اس نے شکست فاش کھائی۔ اور آگرہ سے راہ فرار اختیار کر کے سیدھا یورپ پہنچا۔ اس مناظرہ کی پوری کیفیت "البحث الشریف فی اثبات التنسیخ والتحریف" کے نام سے وزیر الدین نے مرتب کی اور حافظ عبداللہ کے اہتمام سے ۱۲۷۰ھ ہی میں فخر المطابع شاہجہاں آباد میں ولی عہد مرزا فخرو کے صرفہ و حکم سے چھپ کر اکناف و اطراف ہند میں تقسیم کی گئی۔ اسی مناظرہ اکبر آباد کو چھوٹی تقطیع پر حصہ اول "مباحثہ مذہبی" اور دوسرا حصہ "مراسلات مذہبی" کے نام سے سید عبداللہ اکبر آبادی نے منشی محمد امیر کے اہتمام سے مطبع منبع اکبر آباد میں ۱۲۷۰ھ میں چھپوایا۔ پہلا حصہ فارسی میں تقریری مناظرہ کی روداد ہے۔ اور دوسرے حصہ میں ڈاکٹر وزیر خاں اور پادری فنڈر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ

---

[1] ایک مجاہد معمار رسوانح مولانا رحمت اللہ شائع کردہ دار العلوم حرم صولتیہ مکہ معظمہ۔

مولوی رحمت اللہ کی کتاب اظہار الحق کے حاشیہ پر مطبوعہ ہے جو کہ مطبع محمودیہ قاہرہ مصر سے ۱۳۱۷ھ میں طبع ہوا ہے۔ غرض اس تاریخی مناظرہ میں مولانا فیض احمد بدایونی نے ڈاکٹر وزیر خاں کو ہر قسم کی مدد دی اور ان کی کامیابی کے ممد ہوئے۔ اور یہ دوران ملازمت میں بڑا کام تھا۔

جامع مسجد آگرہ کا ایک خاص واقعہ

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ مذہبی انحطاط بھی شروع ہوا۔ جس کے مفصل حالات جابجا ہمیں تاریخوں میں ملتے ہیں۔ نواہی کی کثرت اور اوامر سے پہلو تہی مسلمانوں کی زندگی کے عام واقعات تھے۔

۱۸۳۵ء میں صدر نظامت کا دفتر آگرہ منتقل ہوا۔ علماء کی اچھی خاصی تعداد صدر نظامت کے سلسلہ میں منتقل ہو کر آگرہ آئی جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ مفتی انعام اللہ خاں وکیل سرکار نیز دوسرے علماء جب پہلی مرتبہ آگرہ کی شاہی جامع مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے گئے تو دیکھا کہ نمازیوں کی تعداد صرف ساٹھ یا ستر افراد پر مشتمل تھی یہ شہر آگرہ کا حال تھا۔ جو کہ دور مغلیہ سے مسلمانوں کا مرکزی شہر چلا آ رہا تھا۔ ذرا جامع مسجد آگرہ کا بھی حال سنئیے اندر کا صرف صدری دروازہ نمازیوں کے لئے کھلا ہوا تھا۔ باقی تمام دروازے بند تھے۔ کبوتر پلے ہوئے تھے اور باقاعدہ مسجد سے کبوتر اڑائے جاتے تھے اور خرید و فروخت ہوتی تھی۔ مسجد خاص میں سوت کی رسیاں بٹی جاتی تھیں۔ یہ ناگفتہ بہ حالات تھے۔ مسجد کی تمام دکانیں پیش امام اور متولیوں نے بنیوں کے پاس رہن رکھ دی تھیں۔ اور اوقاف کی آمدنی خوب اڑاتے تھے۔ مولانا فیض احمد رسوا بدایونی صاحب کلکٹر آگرہ ضلع کے پیشکار تھے۔ کلکٹر ان کی حسن کارگزاری اور لیاقت کا بہت معترف تھا۔ مولانا فیض احمد بدایونی

---

۵ مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی ان واقعات کے راوی ہیں۔ انہوں نے یہ واقعات اپنے والد مفتی اکرام اللہ صاحب سے سنے۔

کو جامع مسجد آگرہ کی دو کانوں پر ہندوؤں کے مالکانہ قبضہ کا بہت افسوس تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک روز کلکٹر آگرہ مسٹر فنلے سے جامع مسجد آگرہ کی دوکانوں کے رہن ہونے اور ہندوؤں کے قبضہ کا ذکر کیا اور دوکانوں کے واگذاشت ہونے کی درخواست کی کلکٹر نے قانونی مجبوری کا عذر کیا۔ مولانا فیض احمد بدایونی نے عرض کیا کہ قانون کی روسے ہی دوکانیں ہندوؤں کے قبضہ سے نکل سکتی ہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہندوؤں کی اصل رقم معہ سود کے جوڑ دی جائے اور برسوں سے جو ان کا دوکانوں پر قبضہ و تصرف ہے اس کے بدلے میں شرح مروجہ سے کرایہ لگا دیا جائے۔ کلکٹر کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ مولانا فیض احمد بدایونی کی تجویز کے مطابق عمل درآمد ہوا۔ دوکانیں ہندوؤں کے قبضہ سے نکل آئیں اور کچھ رقم بھی ہندوؤں کے ذمہ بہ سلسلہ کرایہ واجب الادا نکلی۔ مولوی سعید احمد صاحب مارہروی مؤلف "امرائے ہنود" نے جامع مسجد آگرہ کے اس مقدمہ کی پوری مسل ملاحظہ فرمائی ہے جس سے مولانا فیض احمد بدایونی کی مساعی جمیلہ کا حال معلوم ہوا۔[۱]

مولانا فیض احمد صاحب بدایونی کا یہ کارنامہ جامع مسجد آگرہ کے سلسلہ میں بڑا اہم ہے۔ دوکانوں کے واگذاشت ہونے کے بعد مسجد کے انتظام کو درست کیا گیا۔ کبوتربازوں کی سرگرمیوں اور رسی بٹنے کی لعنت کو ختم کرکے مسجد کی درستی و مرمت کرائی گئی اور مسجد کے انتظام کے لئے لوکل ایجنسی آگرہ کا قیام عمل میں آیا جس کے تحت آج تک جامع مسجد آگرہ کا انتظام ہے۔

آگرہ میں شاہ احمد اللہ کی آمد:۔ مولانا سید احمد اللہ مدراسی سید محمد علی کے صاحبزادے اور ابوالحسن شاہ گولکنڈہ کی اولاد سے تھے۔ عالم فاضل اور فنون حرب کے ماہر تھے

---

[۱] مفتی انتظام اللہ شہابی سے یہ واقعات معلوم ہوئے جن کو مولوی سعید احمد صاحب مارہروی نے بتائے تھے۔

یورپ نیز دوسرے ممالک اسلامیہ کی سیر کی، سید قربان علی جے پوری اور حضرت محراب شاہ قلندر گوالیاری سے اجازت و خلافت حاصل تھی اس وقت برصغیر کی سیاسی حالت عجیب دور سے گذر رہی تھی۔ مسلمان تباہ و برباد ہو رہا تھا۔ اس کی عزت و ناموس غیر محفوظ تھی۔ انہدام مساجد اور تذلیل و تحقیر اسلام عام بات تھی۔ حضرت سید احمد اللہ شاہ نے انگریز کے خلاف جہاد کا مسلسل ارادہ قائم کر کے اوّل دہلی کا رخ کیا وہاں عجیب ہنگامہ تھا بادشاہ مجبور شاہزادے اور امراء مدہوش و عیاش۔ علماء سرکار کمپنی کے عہدوں پر ممتاز۔ محکمہ قضاء ٹوٹا کسی نے احتجاج تک نہ کیا۔ علماء اور شیوخ طریقت اپنے اپنے کام میں مصروف حضرت احمد اللہ شاہ نے اوّل مشائخ طریقت اور علماء کرام سے رجوع کیا۔ وقت کی نزاکت کا احساس دلایا مگر ان کے رونے دھونے کو کسی[۵] نے نہ سنا صرف مفتی صدر الدین آزردہ نے کچھ آمادگی ظاہر کی۔ بعد مشورہ تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے شاہ صاحب کو معہ ایک خط کے آگرہ روانہ کیا۔ حضرت شاہ صاحب وہ خط لے کر مفتی انعام اللہ خاں بہادر وکیل سرکار کے پہونچے انہوں نے بڑی قدر و منزلت کی یہاں علماء فضلاء کا اجتماع تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے شاہ صاحب کی بڑی عزت ہوئی محفل سماع اور وعظ کا دور شروع ہوا۔ اور شاہ صاحب کو یہاں اپنے خواب کی تعبیر نظر آنے لگی۔ بہت لوگ معتقد ہو گئے۔ یہاں تک کہ حکومت کو بھی فکر ہوئی مگر کچھ نہ کر سکی۔ مولانا فیض احمد بدایونی اور ڈاکٹر وزیر خاں نے حضرت شاہ صاحب سے رازدارانہ باتیں کیں۔ اور دونوں نے حضرت شاہ صاحب کو معاونت کا یقین دلایا۔

---

[۵] دہلی اس وقت علماء اور مشائخ کا مرکز تھا۔ مفتی انتظام اللہ شہابی نے ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء میں ان حضرات کے نام بھی دیئے ہیں اور تفصیلات بھی دی ہیں۔

مفتی انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں۔

"ہر ایک نے شاہ صاحب کو آنکھوں پر جگہ دی۔ مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی جیسے لوگ شاہ صاحب کے گرویدہ ہو گئے۔

(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علمائ)

حکومت نے حضرت شاہ صاحب کے معتقدین اور علماء، (عہدیداران صدر نظامت) پر ایک جھوٹا مقدمہ چلا کر ان علماء کو منتشر کرنا چاہا۔ اور اس بہانہ سے حضرت احمد اللہ شاہ کے کام میں رکاوٹ ڈالنی چاہی۔ مگر اس ولسن گردی[لہ] سے تمام ملزمین بے داغ چھوٹے۔ خدا کی قدرت سے اس زمانہ میں ہنومان گڑھی کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ ہنتوں نے مسجد میں اذان بند کر دی۔ مسجد کے ایک حصہ کو نقصان پہنچایا۔ شاہ اودھ سے رجوع کیا گیا۔ مگر صدائے برنخاست جولائی ۱۸۵۵ء میں شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح نے مسلمانوں کی ایک جمعیت کے ہمراہ بیراگیوں سے مقابلہ کیا۔ اور شہید ہوئے۔ اس خونیں حادثہ اور ہتک ناموس اسلام کے بعد مولوی امیر علی امیٹھوی نے علم جہاد بلند کیا مگر اودھ کی بے غیرت حکومت کو ہوش نہ آیا اور نوابی فوج اور گوروں کی پلٹن نے گھیر کر سب کو شہید کر دیا۔ مسلمانوں کی حکومت میں خالص اسلامی مسئلہ پر مسلمانوں کی اس بیدردی سے خونریزی۔ آسمان تھرا اٹھا۔ زمین کو زلزلہ آیا۔

لہ رشوت کے الزام میں یہ مقدمہ قائم ہوا۔ مسٹر ولسن جج مرادآباد سماعت مقدمہ کو مقرر ہوا۔ گواہوں نے جھوٹی گواہی سے پہلوتہی کی مگر پھر بھی مولوی غلام جیلانی رئیس اور مولوی غلام امام شہید، منشی سراج الدین، مولوی محمد قاسم دانا پوری۔ بدر الحسن مسل خواں ماخوذ ہوئے صدر میں اپیل ہوئی سب بےگناہ ہوئے یہ واقعہ ولسن گردی کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت مولانا احمد اللہ شاہ صاحب نے آگرہ میں یہ خبر سنی مولانا فیض احمد اور ڈاکٹر وزیر خاں سے مشورہ ہوا۔ اور ان کو بعض ہدایات دے کر مع معتقدین کے شاہ صاحب کانپور پہونچے مولوی عظیم اللہ سے گفتگو ہوئی۔ پھر لکھنؤ و فیض آباد پہونچے۔ شاہ صاحب نے تقریر کے ذریعہ ایک آگ لگا دی۔ مریدین کا اجتماع ہونے لگا۔ حکومت اودھ کو خطرہ پیدا ہوا حاکم فیض آباد نے فوجی قوت سے روکنا چاہا۔ آخر مقابلہ ہوا اور شاہ صاحب قید ہو گئے۔

حضرت شاہ احمد اللہ شاہ صاحب کی اسیری کی خبر جب آگرہ پہونچی تو مریدین و معتقدین میں برہمی پھیلی۔ مولوی فیض احمد اور ڈاکٹر وزیر خاں خاص طور سے سخت پریشان ہوئے اور موقعہ کا انتظار ہونے لگا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء :۔ انگریزوں نے ملک میں ایک طوفان مچا رکھا تھا۔ امرائ پریشان رعایا ناخوش اور ملک تباہ ہو رہا تھا۔ راجے، نواب برباد۔ نظام تعلیم معطل و منصب قضا معزول اور سب پر طرہ یہ ہوا کہ عیسائیت کی تبلیغ کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ حکومت اودھ ختم ہوئی۔ راجے، نواب، بیدخل ہوئے۔ برائے نام شاہ دہلی کے خطاب کی ضبطی کی نوبت بھی پہونچی۔ غرضکہ یہ حالات تھے کہ چربی کے کارتوسوں کا فوج میں رواج ہوا۔ جس نے بارود پر آگ کا کام کیا۔

۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی فوجوں نے بغاوت کی۔ اور دہلی کی جانب بڑھیں شاہ دہلی نے خود مختاری کا اعلان کیا۔ فیض آباد میں مولوی احمد اللہ نے مجاہدین کی کمان سنبھالی اور حضرت محل کی معاونت کی روہیلکھنڈ میں نواب خان بہادر خان نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے سرداری و قیادت کے فرائض انجام دیے ان خبروں کے پہنچنے پر آگرہ میں شروع میں کچھ حالت قابل اطمینان رہی، مگر جب میرٹھ اور

دہلی کی فوجوں کی بغاوت اور مجاہدین کے معرکوں کی خبر آگرہ پہونچی۔ جونس کالون لفٹنٹ گورنر بہادر نے سب فوج ہندوستانی اور انگریزی کو جمع کر کے فہمائش کی اس کا اثر چند روز رہا آخر آگرہ کی سپاہ بھی باغی ہوگئی اور مجاہدین سے مل گئی اور آزادی وطن میں کوشاں ہوئی انگریزوں نے قلعہ کو جائے پناہ قرار دیا۔ ماہ جون میں یہاں بھی واقعات شروع ہوئے جولائی میں تیزی آئی۔ مجاہدین فوج کی سرپرستی ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی نے کی۔ مگر حالات کا جب گہرا جائزہ لیا اور دہلی سے پیام وسلام کے ذریعہ طلبی ہوئی تو کچھ مسلح سپاہ کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی دہلی روانہ ہوگئے۔

مفتی انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں۔

"ڈاکٹر وزیر خاں مردانہ وار میدان میں نکل آئے آگرہ میں جو فوج فدائیوں کی آئی اس کی سرپرستی ڈاکٹر صاحب نے کی انگریز قلعہ بند ہوگئے۔ یہ (ڈاکٹر وزیر خاں) مولوی فیض احمد بدایونی کو ساتھ لے کر دہلی پہنچے۔

(غدر کے چند علماء)

واقعات دہلی :- دہلی میں بہادر شاہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مولانا فضل حق خیرآبادی نیز دوسرے علماء دہلی میں موجود تھے جنرل بخت خاں معہ روہیلہ فوج کے بریلی سے دہلی پہونچ چکے تھے۔ دہلی میں ہنگامہ برپا تھا۔ اہالیان شہر دو جماعتوں میں منقسم تھے ایک بہادر شاہ کا طرفدار اور دوسرا حکومت کمپنی کا وفادار۔ فوج لالچ میں گھری تھی۔ مجاہدین کی جماعت میں روہیلوں کی جماعت جو جنرل بخت خاں کے زیر کمان تھی سب سے زیادہ بہادر اور مجاہدانہ جذبہ سے سرشار تھی اور داد شجاعت دے رہی تھی۔ جنرل بخت خاں کے مشورے سے علامہ فضل حق خیرآبادی نے بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں جہاد کی اہمیت وضرورت پر تقریر کی اور جہاد کا

استفتاء مرتب کر کے پیش کیا۔ جہاد کے فتوی کی تیاری میں جنرل بخت خاں کی کوشش خاص تھی۔ مفتی صدر الدین صدر الصدور دہلی۔ مولوی عبد القادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی۔ سید مبارک شاہ رامپوری۔ مولوی محمد سعید نے اپنے اپنے دستخط اور مواہیر سے فتوی کو مرتب و مزین کیا۔ اس فتوی کی نقول اکناف و اطراف ملک میں دم کے دم میں شائع ہو گئیں۔ اور اس کی اشاعت سے ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔

دہلی میں جنرل بخت خاں کی فوج کی حالت سب سے اچھی تھی۔ بادشاہ کو جنرل بخت خاں پر بڑا اعتماد تھا۔ جلوت و خلوت میں ہر وقت بادشاہ کی باریابی کی اجازت تھی۔ جنرل بخت خاں کو لارڈ گورنر بنایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی معاونت و مشورہ کے لئے ڈاکٹر وزیر خاں کو اپنے ساتھ رکھا۔ مولوی فیض احمد بدایونی مرزا مغل کے پیشکار مقرر ہوئے۔ جنرل بخت خاں کو ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی پر بڑا اعتماد تھا۔ چونکہ مرزا مغل کی حالت مشتبہ تھی اور وہ حضرت محل اور مرزا الہی بخش کی سازشوں کے شکار بنے لہذا ان کی حالت سے باخبر رہنے کی وجہ سے مولوی فیض احمد بدایونی کو ان کا پیشکار مقرر کیا گیا ہو گا۔ مفتی انتظام اللہ شہابی نے "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" میں لکھا ہے کہ مولوی فیض احمد بدایونی دہلی میں مجسٹریٹ بھی بنائے گئے۔ لیکن اس کی تصدیق کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوئی۔

ہنگامہ کارزار:- دہلی میں جنرل بخت خاں نے بڑے معرکے سر کئے۔ انگریزی فوج نے ہر جگہ اس بہادر و جانباز جنرل سے شکست کھائی در اصل جنرل بخت خاں کی فوج بہت باقاعدہ اور بہادر تھی۔ اس کی تصدیق بطور عینی شاہد کے مرزا ظہیر دہلوی کے روزنامچہ غدر سے ہوتی ہے۔ ایک دوسری شہادت سنئے۔

"جنرل صاحب کی قیادت میں عوام نے سر دھڑ کی بازی لگا کر بے جگری

سے اپنے خون کی ہولی کھیلی اور ان کو معلوم ہو گیا کہ مقابلہ کسی معمولی دشمن سے نہیں ہے باغی فوج نے بڑی سختی اور مضبوطی سے فوج انگریزی پر حملہ جاری رکھا اور کوئی تدبیر و دقیقہ ان کے وہاں سے نکال دینے میں اور غارت کرنے میں باقی نہیں چھوڑا۔ دشمنوں نے اپنی مورچہ بندی ایک بہت اچھے موقعہ پر باغات اور مکانات کی آڑ میں کی تھی۔ توپیں بہت عقلمندی کے ساتھ سرکیں۔ اور اس سرعت سے آگ برسائی کہ ایک لمحہ کے لئے بھی توقف نہ تھا۔

رسالہ تاریخ بغاوت ہند بحوالہ ۱۸۵۷ء کے ہیرو" از سیدہ انیس فاطمہ، بریلوی

ولیم فوربس لکھتا ہے۔

" محاصرہ کے زمانہ میں باغیوں نے متعدد حملے کئے اور یہ باغیوں کی لیاقت کا اچھا ثبوت ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کسی معمولی دشمن سے مقابلہ نہ کر رہے تھے۔ ان حملوں کی تعداد ۲۶ تھی۔ ان میں سے ہر ایک نہایت ہی منظم اور باقاعدہ اقدام اور حملہ تھا۔ ان کے علاوہ بے شمار حملے دور افتادہ چوکیوں اور پہرادل پر ہوئے۔ یہ ہمارے آدمیوں کے قریب بہت کم آتے تھے اور یہ بھی جب انپر اچانک حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مگر روزانہ جنگ آزما ہوتے تھے۔ ان کی مستقل جرأت و بہادری سے کوئی چیز بازی نہیں لے جا سکتی تھی"

غدر عظیم کا تذکرہ بحوالہ ۱۸۵۷ء کے ہیرو

از سیدہ انیس فاطمہ، بریلوی

مرزا مغل کا دل صاف نہ تھا۔ اور وہ دشمنوں اور غداروں کے کہنے سے جنرل بخت خاں سے بدظن ہو کر انگریزوں کی طرف جھکنے لگے کشمیری گیٹ کا مورچہ مرزا مغل کے سپرد تھا۔ جس میں ایک حصہ فوج کی کمان ڈاکٹر وزیر خاں کے سپرد تھی۔ اور اسی حصہ فوج میں مولوی فیض احمد بدایونی بھی شریک معرکہ تھے۔

ڈاکٹر وزیر خاں کے زیر کمان سپاہیوں نے بڑی جرات اور بہادری کا ثبوت دیا مگر کشمیری گیٹ پر مرزا مغل نے شکست کھائی۔ جنرل بخت خاں کے کہنے پر ڈاکٹر وزیر خاں اپنی فوج کو لے کر علیحدہ ہو گئے۔ ورنہ گرفتاری کا اندیشہ تھا۔ جنرل بخت خاں مقبرہ ہمایوں پہو بچکر بادشاہ سے ملے اور صورت حال سے مطلع کیا۔ مقبرہ سے نکلنے کو کہا، زینت محل نے باز رکھا بادشاہ اگر اس وقت مقبرہ سے باہر نکل آتے تو صورت حال کی تبدیلی کی توی امید تھی کمپنی کی فوج نے ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو شہر دہلی پر ہڈسن کی کمان میں مکمل قبضہ کر لیا۔ جنرل بخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی وغیرہ نے دہلی چھوڑ دی۔

مولوی عبد الشاہد خاں شروانی لکھتے ہیں۔

"بادشاہ جو اس درمیان میں قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں میں پناہ گزیں ہو چکے تھے مع متعلقین گرفتار کر کے قلعہ میں نظر بند کر دیئے گئے۔ تین شاہزادوں کو قلعہ میں داخل ہوتے ہی گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اور ان کے سروں کو خوان پوش سے ڈھک کر خوان میں لگا کر بادشاہ کے سامنے بطور تحفہ پیش کیا گیا۔ انہیں میں مرزا مغل بھی تھے۔ جنرل بخت خاں اپنی فوج اور توپ خانہ کو نکال لے گئے بادشاہ سے کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ چلیں مگر وہ زینت محل اور مرزا الٰہی بخش کے ہاتھ میں کھلونا بن چکے

تھے۔ آمادہ نہ ہوئے جنرل بخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد وغیرہ سب لکھنؤ چلے گئے۔

باغی ہندوستان ص۱۵۷ از مولوی عبدالشاہد خاں شروانی

ورود لکھنؤ: ۔جب فیض آباد میں مولوی سکندر شاہ اور ان کی جماعت کو شکست ہو گئی تو مولوی سید احمد اللہ شاہ لکھنؤ روانہ ہوئے۔ اور مولوی احمد سبط مولوی غلام علی کی جماعت کو بڑی تقویت پہنچائی اور سب کو مجتمع کیا۔ جولائی ۱۸۵۷ء میں مرزا برجیس قدر کی تخت نشینی ہوئی۔ ممو خاں (ناصر الدولہ علی محمد خاں) تمام سیاہ سپید کا مالک ہوا۔ حضرت محل والیہ مقرر ہوئیں۔ رعایا مولوی امیر علی کے واقعہ ہنومان گڑھی سے بدظن تھی اس پر ممو خاں کے ظلم مستزاد۔ مولوی احمد اللہ شاہ اہالیان اودھ کی امیدوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ حضرت محل نے بھی شاہ صاحب سے خصوصی تعلقات پیدا کئے آٹھ ماہ گزر گئے۔ دلّی۔ آگرہ۔ کانپور میں انگریزوں نے قبضہ جما کر لکھنؤ کا رخ کیا۔ تمام سرداران جنرل بخت خاں۔ ڈاکٹر وزیر خاں، مولوی فیض احمد بدایونی، مولوی عظیم اللہ کانپوری نواب تفضل حسین فرخ آبادی، نانا راؤ، شہزادہ فیروز شاہ۔ مولوی لیاقت علی الہ آبادی۔ قاضی سرفراز علی شاہجہانپوری وغیرہ وغیرہ مختلف مقامات سے آکر شاہ احمد اللہ صاحب سے آملے۔ پہلا معرکہ نواب گنج میں ہوا مجاہدین کامیاب ہوئے اور رحمد خانے کی کوٹھی پر قبضہ کر لیا۔ مچھی بھون کو اڑا دیا۔ غرض لکھنؤ پر شاہ صاحب کا پورا پورا عمل ہو گیا۔ بیلی گارد پر بھی قبضہ ہو گیا تھا کہ ممو خاں کی مخالفت و نالائقی سے لپا ہونا پڑا۔ آخری معرکہ عالم باغ میں ہوا۔ جنرل مارٹن نے مورچہ قائم کیا۔ جنرل بخت خاں مقابل ہوئے۔

ایک مورچہ پر یوسف خاں اور ممو خاں مقرر ہوئے چکراولی کوٹھی پر خود شاہ صاحب نے معہ ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی نے مورچہ سنبھالا۔ حضرت محل بھی موجود تھیں۔ انگریزی فوج سے ڈٹ کر مقابلہ ہوا۔ مجاہدین نے بڑی داد شجاعت دی جب شاہ صاحب نے اپنا مورچہ بگڑتا دیکھا تو مورچہ بدل دیا۔ اور آخری جنگ عیش باغ میں ہوئی۔ حضرت محل اور ممو خاں گھبرا گئے۔ اور حضرت محل ۱۶ مارچ ۱۸۵۸ء کو مرزا برجیس قدر کو لے کر نکل کھڑی ہوئیں جس سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ شاہ صاحب معہ اپنے رفقاء ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی میدان میں ڈٹے رہے اور بڑی بہادری سے لڑتے رہے۔ آخر ش موقعہ کی نزاکت دیکھ کر شاہجہاں پور چلے گئے۔ چونکہ شاہ صاحب کے ہمراہ تحریک کے بڑے بڑے سردار موجود تھے۔ نواب خان بہادر خاں نے بریلی سے لکھا کہ پچاس ہزار روہیلہ متابعت کو تیار ہیں۔ تشریف لائیے۔ شاہ صاحب نے شاہجہانپور چھوڑنا مناسب نہ سمجھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے ان سرداروں کو روہیلکھنڈ کے مختلف اطراف میں پھیلا کر مختلف مورچوں اور مقامات پر مجاہدین کی مدد اور قیادت کے لئے بھیجدیا۔ چنانچہ ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی گنگا کو عبور کر کے بدایوں پہنچے۔

معرکہ بدایوں (ککرالہ):۔ بدایوں میں نواب خان بہادر خاں کی طرف سے ۷ / جون ۱۸۵۷ء کو عبد الرحمٰن خاں ناظم اور نیاز محمد خاں سپہ سالار فوج مقرر ہوئے۔ سابق ملازمین کو ان کی جگہ برقرار رکھا گیا۔ اور نئے تقررات بھی ہوئے اور ناظم نے بہت خوبی سے ضلع کا انتظام کیا۔ بلوائیوں کی سرکوبی کی اور مفسدین کو کیفر کردار کو پہنچایا۔ ہرلال سنگھ ساکن بکسینہ دھپودھام کا لقب اختیار کر کے راجپوتوں کی ایک جماعت لیکر شہر بدایوں پر چڑھ آیا۔ سرحد پر لڑائی ہوئی آخر شکست کھا کر بھاگ گیا۔

نومبر ۱۸۵۷ء تک تمام ضلع بدایوں پر نواب خاں بہادر خاں کا قبضہ ہوگیا۔ نیاز محمد خاں نے فتح گڈھ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ۲۰ جنوری ۱۸۵۸ء میں ککرالہ کے لوگوں کی مدد سے فرخ آباد میں داخل ہوا۔ بدایوں چھوڑے ایک ہفتہ ہوا تھا کہ مسٹر ہوگرانٹ نے چھاپہ مارا اور کامیاب ہوا شروع اپریل ۱۸۵۸ء میں محسن علی خاں جو کہ نواب فرخ آباد کا معاون خصوصی تھا۔ شاہجہانپور سے ہوتا ہوا بدایوں آیا، ڈاکٹر وزیر خاں مولوی فیض احمد بدایونی اور فیروز شاہ شہزادہ بدایوں پہونچ چکے تھے۔ مجاہدین میں جوش وخروش پیدا کرنے کی غرض سے مولوی فیض احمد بدایونی نے فتویٰ جہاد کی نشرواشاعت کی نتیجہ خاطرخواہ نکلا تین سو تازہ دم سپاہی بریلی سے آگئے۔ حکیم سعید اللہ اور اُن[۱] کے کچھ ساتھی آنولہ سے آکر شریک ہوئے تھے۔ انگریزی فوج سے سخت مقابلہ ہوا۔ مجاہدین کے مورچہ ڈاکٹر وزیر خاں مولوی فیض احمد بدایونی اور فیروز شاہ شہزادہ سنبھالے ہوئے تھا۔ مولوی محمد سلیمان بدایونی اپنے گرانقدر مقالہ "بدایوں کا جہاد حریت ۱۸۵۷ء" میں معرکہ ککرالہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

۹-ز
۴۰

"انگریزی فوج نے آدھی رات کو ککرالہ کی طرف کوچ کیا۔ اُن کے ساتھ موضع چاندپرائی کا ایک ہندو جاسوس اور دوسرا موضع رٹھول کا ایشری پرشاد تھا نصف مسافت طے کرکے دم لیا تاکہ پیدل فوج بھی آکر اُن سے مل جاوے۔ پیدل فوج آگئی تو اس کو حکم دیا کہ

---

[۱] حکیم سعید اللہ ولد حکیم عظیم اللہ علم طب ونجوم میں ماہر کامل ۱۸۵۷ء میں آنولہ میں جنگ آزادی کے روح رواں نواب خان بہادر کی طرف سے نامہ پیام کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ککرالہ (بدایوں) اور کمپلا ضلع فرخ آباد میں مقابلہ کیا بعد غدر فرار ہوئے۔ بڑی مصیبتوں کے بعد حکیم سعادت علی خاں مدارالمہام ریاست رامپور کے توسط سے معافی حاصل ہوئی ۱۹۰۷ء میں انتقال ہوا۔

ٹھہر ٹھہر کر چلے جلدی کی ضرورت نہیں اور اپنا کوچ توپ خانہ اور سواروں کے ساتھ جاری رکھے یہاں تک کہ کگرالہ ایک میل رہ گیا یہ صبح صادق کا وقت تھا کہ مجاہدین کا ایک گروہ آتا نظر پڑا جنھوں نے چار توپیں گراپ کیں لیکن کوئی انگریز زخمی نہ ہوا۔ انگریزوں نے جوابی توپوں کے فیر کئے۔ مجاہدین نے موقعہ پاکر انگریزوں کو تلواروں پر رکھ لیا اور کلا بہ کلا لڑنا شروع کیا۔ انگریزی فوج نے مجاہدین کی شمشیر زنی کی تاب نہ لاکر پسپائی شروع کردی۔ اور درختوں کی آڑ لے کر توپیں چلانے لگے اس سے مجاہدین کا اتلاف جان زیادہ ہوا۔ اس بے ترتیبی اور بدنظمی میں بہت دیر میں معلوم ہوا کہ جنرل پینی غائب ہے۔

مقامی روایت ثقہ حضرات کی یہ ہے کہ انگریزوں کی آمد پر گولہ انداز نے ایسا گولہ نشانہ پر مارا کہ جنرل پینی کا سر اڑ گیا۔ بڑی تلاش سے اس کی نعش ملی۔ دیکھا بازو پر ایک زخم گولی کا تھا اور کسی مجاہد کی تلوار اس کا خون پی چکی تھی توپوں کی آواز سُنکر سورنج نکلنے پر کرنل جونس معہ پیادہ فوج کے موقعہ پر آگیا۔ مقامی روایت ہے کہ اس فوج کے آنے سے کگرالہ کے مجاہدین انگریز کی فوج کے بیچ میں پھنس گئے اور ایک ہزار مجاہدین شہید ہوئے۔ شہزادہ نے کچھ سامان اور آدمی لے کر کگرالہ سے پچھم اور موضع گھوائی سے پورب ایک جھاڑی دار ٹیلہ کی آڑ لے مورچہ لگایا پھر بھی ناکامی ہوئی۔ مجاہدین بدایوں کی طرف روانہ ہوگئے تھے توپ خانہ نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر بدایوں کا کہنا ہے کہ یہ امر تحقیق شدہ ہوگیا کہ یہ سرفروش جماعت ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی اور ان کے رفقاء (مولوی فیض احمد بدایونی اور شہزادہ فیروز شاہ) کی تھی۔

کگرالہ کے معرکہ کے بعد شہزادہ فیروز شاہ، مولوی فیض احمد بدایونی اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ بریلی پہونچے۔ فیروز شاہ شہزادہ نواب خان بہادر خاں کے پاس رہ گئے اور مولوی فیض احمد و

ڈاکٹر وزیر خاں شاہ احمد اللہ صاحب کے پاس شاہجہانپور چلے گئے۔

شاہجہانپور:۔ شاہجہانپور میں نواب خان بہادر خاں کی جانب سے نواب غلام قادر خاں ناظم مقرر ہوئے تھے۔ ایک سال انتظام کیا۔ ملحقہ اضلاع مرادآباد و بدایوں وغیرہ سے انگریز کامیاب ہو کر شاہجہانپور پہونچے۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی مولوی فیض احمد بدایونی جنرل بخت خاں نیز دوسرے سردار بھی شاہ صاحب کے پاس پہونچ چکے تھے ۲۸ر اپریل ۱۸۵۸ء کو بجپوریہ کے مقام پر انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔ کمانڈر فوج نواب نظام علی خاں[1] ساکن شہباز نگر تھے نظام علیخاں نے انگریزی فوج کے چھکے چھڑا دیئے اور آخر میں جام شہادت نوش کیا۔ انگریز کامیاب ہوئے شہر کی حفاظتی فوج احمد اللہ شاہ کے سپرد تھی۔ جب انگریز شاہجہانپور کی طرف بڑھے تو شاہ صاحب نے شہر خالی کر دیا۔ انگریز فوج پرانی جیل میں اسرابندی کے مورچہ زن ہو گئی۔ شاہ صاحب نے تین روز کے بعد پلٹ کر حملہ کر دیا اور یہ حملہ ۳ر مئی سے ۸ر مئی ۱۸۵۸ء تک جاری رہا محصورین کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی۔ جنرل جونس ایک فوج لیکر آموجود ہوا۔ انگریزی فوج شاہ صاحب کے مضبوط مورچہ پر حملہ نہ کر سکی اور بے ترتیب لڑائیاں ہوتی رہیں کہ اس عرصہ میں شاہ صاحب کی مدد کو فیروز شاہ اور حضرت محل کی فوجیں آگئیں۔ ۱۵ر مئی ۱۸۵۸ء کو شاہ صاحب نے دشمن پر سخت حملہ کیا مگر جنرل جونس ثابت قدم رہا۔ ۱۸ر مئی ۱۸۵۸ء کو سر کالن کمپبل بریلی سے فوج لیکر پہنچ گیا۔ شاہ صاحب موقعہ کی نزاکت دیکھ کر مع ہمراہیوں کے قصبہ محمدی چلے گئے۔

قصبہ محمدی میں قیام حکومت:۔ قصبہ محمدی پر شاہ احمد اللہ صاحب نے قبضہ کر لیا۔ چاروں طرف دمدمہ بندی کی ان کی حکومت قائم ہو گئی۔ کابینہ مرتب ہوئی۔ وزیر دفاع جنرل

---

[1] شہباز خاں روہیلہ بانی قصبہ شہباز نگر (شاہجہانپور) کی اولاد سے تھے بڑے بہادر اور جری تھے ان کے محلات کا بقیہ آج بھی شہباز نگر میں موجود ہے۔ آپ کی اولاد میں منشی مظفر علیخاں مرحوم سکریٹری میونسپل بورڈ بدایوں تھے۔

بخت خاں، قاضی سرفراز علی قاضی القضاۃ اور نانا راؤ پیشوا دیوان مقرر ہوئے اور اراکین کونسل میں مولوی لیاقت علی الہ آبادی، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی تھے۔ فیروز شاہ نے پہلے اختلاف کیا پھر انہوں نے بھی شرکت کرلی۔ شاہ صاحب کا خطبہ و سکہ جاری ہوا۔

سکہ زد بر ہفت کشور خادم محراب شاہ   حامی دین محمد احمد اللہ بادشاہ

احکام شرع کا نفاذ ہوا۔ مگر فلک کجرفتار کو یہ ادا کب پسند تھی۔ ایک مہینہ بھی نہ گزرا کہ سر کالن کمپل نے قصبہ محمدی پر حملہ کردیا۔ سخت مقابلہ ہوا۔ انگریزی فوج کی طاقت اور فیروز شاہ کے اختلاف سے شاہ صاحب کو ناکامی ہوئی۔ محمدی کو چھوڑنا پڑا۔ کچھ لوگ نیپال کی طرف نکل گئے۔ ۵ جون ۱۸۵۸ء کو شاہ صاحب پھر نمودار ہوئے۔ جگن ناتھ سنگھ راجہ پوایاں کے بھائی بلدیو سنگھ کے کہنے میں آگئے۔ اکیلے ہاتھی پر سوار تھے راجہ کی گڑھی پر پہونچے۔ راجہ نے پھاٹک بند کرلیا۔ ہاتھی نے دو تین ٹکریں ماریں۔ راجہ کے ملازمین نے اوپر سے باڑھ ماری ایک گولی شاہ صاحب کے لگی فوراً جاں بحق ہوگئے۔ سر کاٹ کر لاش پھونک دی گئی۔[1] انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سر گشتہ بر نیزہ می زد نفس   کہ معراج مرداں ہمیں است بس

مولوی فیض احمد بدایونی کی روپوشی

احمد اللہ شاہ صاحب کی شہادت کے بعد سرگرم مجاہدین منتشر ہوگئے۔ کانپور۔ فرخ آباد۔ مراد آباد۔ بدایوں۔ بریلی اور شاہجہانپور وغیرہ پر مکمل طور سے انگریز کا قبضہ ہوچکا تھا۔ مخبروں کی بن آئی تھی۔ جنرل بخت خاں، شہزادہ فیروز شاہ، ڈاکٹر وزیر خاں نیز دوسرے سربرآوردہ حضرات نے راہ فرار اختیار کی۔ فیروز شاہ

---

[1] آپ کا سر شاہجہانپور میں دفن ہے۔ مولانا طفیل احمد منگلوری مصنف "مسلمانوں کا روشن مستقبل" نے کتبہ لکھوایا ہے۔

شہزادہ اور ڈاکٹر وزیر خاں مکہ معظمہ پہونچے۔ مولانا فیض احمد کے متعلق مشہور ہے کہ نیپال کی طرف چلے گئے اور یہ یقینی بات ہے کہ اگر مولوی فیض احمد معرکہ محمدی سے بچ گئے تو یقیناً ڈاکٹر وزیر خاں کے ساتھ ہے

ڈاکٹر وزیر خاں اور فیروز شاہ شہزادہ کی فراری کے متعلق قیصر التواریخ جلد دوم میں ہے کہ[1] شہزادہ شاہ احمد اللہ شاہ کی وفات کے بعد سندیلہ پہونچا۔ کئی جگہ مقابلہ ہوا آخر میں ۴ سو سوار رجمنٹ ۱۲ مع ظریف خاں رسالدار اور ڈاکٹر وزیر خاں باقی سوار جنگی منتشر قریب ہزار کے جمع ہو کر باڑی روانہ ہوئے۔ پھر باڑی سے واپس ہو کر بلہور گھاٹ (کانپور) پر دریائے گنگا کو عبور کیا۔ شہزادہ نے ملاحوں کو دو سو روپیہ انعام دیا۔ پھر مکن پور حضرت بدیع الدین کے مزار پر پہونچے اور وہاں سے اٹاوہ ہو کر شیر پور کے گھاٹ پر جمنا کو عبور کیا۔ راستہ میں بہادری سے لڑتا ہوا راجپوتانہ چلا گیا۔ جے پور۔ بیکانیر۔ دامن کوہ اردکن میں سرگرداں رہا۔ وہاں قوم بھیل بھی شریک ہو گئی آخر دریائے اٹک اتر کر داخل ملک ایران ہوا اور وہاں سے حجاز پہونچا۔

شہزادہ فیروز شاہ، اور ڈاکٹر وزیر خاں حجاز پہونچے مگر مولوی فیض احمد کا پتہ نہیں چلتا کہ راستے ہی میں ساتھیوں کو داغ مفارقت دیا یا کسی اور طرف چلے گئے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اگر مولانا فیض احمد حجاز پہونچتے تو ضرور سراغ لگتا۔ کیونکہ آپ کے ماموں مولانا فضل رسول بدایونی نے بہت تلاش کیا اور اس سلسلہ میں ممالک اسلامیہ کا مکمل سفر کیا۔[2] قسطنطنیہ (ترکی) تک پہونچے مگر سراغ نہ ملا۔ مولانا فیض احمد بدایونی کہاں گئے اور کیا حشر ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سخن گستری:۔ مولانا فیض احمد بدایونی نے جس بہادری جانبازی اور ہمت وجرأت سے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا اور جان ومال کی قربانی دی وہ اظہر من الشمس ہے۔ مگر افسوس

---

[1] عبارت میں اختصار کر دیا گیا ہے۔
[2] اکمل التاریخ جلد دوم ص۲۲

کر ان کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔ حالانکہ ان کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے بدایوں میں ایک خاص مقام رکھتا ہے خاندانی تذکروں کے طور پر چار کتابیں تحفۂ فیض، طوالع الانوار، بوارق محمدیہ[۱] اور اکمل التاریخ شائع و طبع ہوئیں مگر افسوس کہ مولانا فیض احمد بدایونی کے مجاہدانہ کارناموں کو کہیں جگہ نہ ملی۔ حالانکہ تحفۂ فیض تو خاص ان کے ماموں زاد بھائی مولانا عبدالقادر بدایونیؒ نے آپ کے حالات میں مرتب کیا مگر اس میں تمام واقعہ کو اس طرح ادا کر دیا۔

"آخر در سنہ یکہزار و دو صد و ہفتاد و سہ ترک علائق دنیا نمودہ اعانتِ دین متین بر جان و مال خود مقدم فہمیدند و فی سبیل اللہ جان خود را وقف گردانیدند و بحیات سرمدی نعیم ابدی فائز شدند" (تحفۂ فیض ص۵)

آپ کے خاندان کے ایک ممتاز رکن مولوی انوار الحق عثمانی بدایونی اپنی کتاب طوالع الانوار میں بھی اسی طرح تمام واقعہ کو لکھ جاتے ہیں۔

"صاحب ممدوح جامع کمالات محمود الصفات تھے بے نظیر زمانہ تمام اوصاف میں یگانہ تھے سن بارہ سو تہتر میں تائید دین متین میں للّٰہ فی اللہ مردانہ دولت دنیا کو بیٹھ دیکر مصروف ہوئے جب سے آج تک کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔" (طوالع الانوار ص۲۳)

بوارق محمدیہ مصنفہ مولانا فضل رسول بدایونیؒ کے خاتمہ میں قاضی معین الدین میرٹھی واقعہ کو اور بھی مسخ کر کے لکھتے ہیں۔

"در صفائے قلب و اعانت مسلمین و جود رہنمائی بے نظیر نمودہ اند۔۔۔۔

"در سنہ دوازدہ صد و ہفتاد و چہار راہی جنت گردید"

---

[۱] بوارق محمدیہ حضرت مولانا فضل رسولؒ بدایونی کی فارسی تصنیف رد وہابیت میں مشہور ہے اس کے آخر میں قاضی معین الدین گیتی میرٹھی کے نام سے ایک تتمہ لگا ہے جس میں مولوی فضل رسولؒ بدایونی کا مختصر حال مع اساتذہ تلامذہ، تصانیف وغیرہ کے درج ہے۔

اس سلسلہ کی آخری کتاب اکمل التاریخ جلد اول میں بھی وہی مبہم لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔

"آپ اپنے زمانہ غدر میں آگرہ ہی سے جبکہ ہر طرف ہنگامہ جدال و قتال گرم تھا ترک علائق کرکے راہ حق میں قدم رکھا اور جادۂ فنا تک پہونچکر بقائے جاودانی کا لطف اٹھایا کسی کو آپ کا پتہ نہ چلا کہ کہاں تشریف لے گئے۔"
۶۲۳

پھر ذرا لطیفہ دیکھئے کہ طوالع الانوار کی عبارت سے واضح ہے کہ ۱۲۷۳ھ میں تائید دین متین میں مصروف ہوئے اور پتہ نہ چلا اسی طرح اکمل التاریخ کی عبارت سے بھی گمشدگی اور روپوشی کا اشارہ ملتا ہے مگر تحفۂ فیض کی عبارت سے بادی النظر میں سنہ وفات کا تعین ہوتا ہے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔

"در ۱۲۷۳ھ اعانت دین متین بر جان و مال خود مقدم فہمیدند و فی سبیل اللہ جان خود را واقف گردانیدند۔"

بوارق محمدیہ کی عبارت میں اس کو بالکل صاف کرکے سن وفات کا تعین بھی کردیا گیا یعنی

"در سنہ دوازدہ صد و ہفتاد و چہار راہی جنت گردید۔"

سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور تذکرہ علمائے ہند مؤلفہ رحمٰن علی میں تو اعانت دین متین کا ذکر بھی حذف کرکے صاف لکھا گیا کہ [۱]

"در حدود سال دوازدہ صد و ہفتاد و چہار ہجری رحلت فرمود۔"

حالانکہ تاریخ وفات کا تعین کسی طرح نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مولانا فیض احمد معرکہ محمدی میں شہید نہ ہوئے جس کا بظاہر کوئی ثبوت نہیں تو ان کی حیات ۱۲۷۵ھ تک یقینی ہے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم | کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

دن گزرے، مہینے گزرے، سالیں گزریں۔ یہانتک کہ ایک صدی کے بعد اس مجاہد جلیل

---

[۱] بدایونی علماء کے تراجم کیلئے مولانا عبد القادر بدایونی نے مؤلف تذکرہ علمائے ہند کو "مواد بہم پہنچایا۔ جیسا کہ صفحات ۱۲۷، ۲۵۸ (مطبوعہ ۱۹۱۴ء بار دوم سے ظاہر ہے)

مولانا فیض احمد بدایونی کے کارناموں کا ذکر سب سے اوّل مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی نے اپنی تصنیفات "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" اور "غدر کے چند علماء" میں کیا۔ اگرچہ مفتی صاحب کو مکمل حالات نہ مل سکے اور کیونکر ملتے جبکہ گھر سے اخفاء و پوشیدگی کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ اس کے بعد مولوی محمد سلیمان بدایونی نے اپنے گرانقدر مقالات "بدایوں کا جہاد حریت ۱۸۵۷ء[۱]" اور "مورخین بدایوں[۲]" میں مولانا فیض احمد بدایونی کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا ذکر کیا اور آخر میں یہ حالات مختلف کتابوں، بیاضوں، دفتروں، سینوں، سفینوں سے مرتب کئے گئے۔

شاعری:۔ مولانا فیض احمد بدایونی کو شعر و شاعری سے مناسبت طبعی تھی۔ رسوا تخلص فرماتے تھے سلاست و روانی کلام کی خصوصیات ہیں۔ عربی۔ فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں فکر فرماتے تھے۔ ابتداءً عاشقانہ کلام کی طرف توجہ تھی اور اتباع ادان لکھنؤ کی پیروی کی بعد کو منقبت میں لکھا۔ چند اشعار اردو مؤلفہ خمخانہ جاوید مولفہ لالہ سری رام ایم۔ اے[۳] دہلوی میں بھی ملتے ہیں۔ اردو کا کلام ہدیۂ ناظرین ہے۔

نہ طوطی شکرستاں ہوں میں نہ بلبل زار	نہ شمع بزم ہوں میں، اور نہ مرغ آتش خوار
ہوں بال بال پریشان وبال جان ہے زیست	نہیں ہوں میں کسی کافر کا طرۂ طرار
کیا بتوں کے تلون نے جی پہ عرصہ تنگ	ثبات بات کو ان کے نہ میرے جی کو قرار
غلط ہے گر کوئی مریخ کو کہے جلاد	کہ میرے حق میں تو زہرہ بھی ہو گئی خونخوار
ہوں غم نصیب یہاں تک کہ اب کے سال ہوا	ہلال عید میرے حق میں مغربی تلوار
جو بھاگوں میں جگر خستہ تو کدھر بھاگوں	کہ سنگ حادثہ کی ہر طرف سے ہے بوچھار

---

[۱] "العلم" کراچی کی دو اشاعتوں اپریل ۱۹۵۵ء و جولائی ۱۹۵۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔

[۲] "ذوالقرنین" بدایوں کے "بدایوں نمبر" اپریل ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

[۳] لالہ سری رام نے بھی خمخانہ جاوید میں یہ شکایت لکھی ہے کہ باوجود بار بار لکھنے کے مولانا فیض احمد بدایونی کے حالات نہ مل سکے۔

امید بہتری اب تک خیال باطل ہے ۔۔۔ کہ سب کا اس فلک بے مدار پر ہے مدار
ہزار معنی باریک دل میں رکھتا ہوں ۔۔۔ ہزار نالۂ موزوں کا لب پہ ہے مزار
مگر میں کیا کروں دم مارنے کا حکم نہیں ۔۔۔ کیا ہے ضبط غم عشق نے مجھے لاچار
یہ چرخ فتنہ دکھاتا ہے سبز باغ مجھے ۔۔۔ جو ہر زخم ہو درکار مرہم زنگار
بہت ہیں اور بھی دنیا میں عاشقی پیشہ ۔۔۔ مجھ ہی سے برسر کیں ہے یہ چرخ ناہنجار
ہجوم رنج والم سے یہ حال ہے دل کا ۔۔۔ کہ جیسے قبر منافق ہو تیرہ و تار
دکھاؤں یاروں کو دل میں جو شور شیں ہیں بھری ۔۔۔ کمر جہات میں نہیں جائے یک طپیدن دار
غلط ہے سنگ دلوں سے امید دل گرمی ۔۔۔ گر چہ سنگ سے دیکھے نکلتے شرار

سو آج دست فلک سے ہوں اسقدر بے چین ۔۔۔ کہ ایک پاؤں پہ پھرتا ہوں صورت پرکار
وہ کون ہے کہ جگہ میری اس کے دل میں ہے ۔۔۔ وہ کون شخص ہے جس کو نہیں مجھ سے عار
حرم سے مجھ کو مسلمان منع کرتے ہیں ۔۔۔ تو جانے دیر دیتے نہیں مجھے کفار
زمین پاؤں کے نیچے سے نکل جاتی ہے ۔۔۔ نہیں ہے میری دعا کو بھی آسماں پہ بار

فارسی کے پانچ قصیدے ہیں یہ تادریہ میں شامل ہیں انمیں سے ایک قصیدہ درج کیا جاتا ہے۔

شدم بدام غم و رنج مبتلا یا غوث ۔۔۔ ترحمی کن و زیں دام کن رہا یا غوث
بہار رفتۂ من در خزاں بجوش آید ۔۔۔ وزد در گلشن لطف تو گر صبا یا غوث
گرنہ عرض کنم بر تو درد دل چہ کنم ۔۔۔ ز آستانۂ عالی روم کجا یا غوث
خدائے را نظر لطف بر من غمگیں ۔۔۔ رسید مرتبۂ غم بانتہا یا غوث
نثار اسم شریف تو جان و مال و تنم ۔۔۔ بعشق تو ہمہ ایمان و دین خدا یا غوث
ترا از ہر دو جہاں انتخاب کردم و بس ۔۔۔ بجز تو ہیچ کسم نیست مدعا یا غوث
چرا بحضرت تو عرض مدعا نہ کنم ۔۔۔ تو بادشاہ شاہانی و من گدا یا غوث

برات رزق ز تو ہر کسے ہمی خواہم | زجیب خاص عنایت بکن مرا یا غوث
توی کہ نام تو ہر لحظہ ورد من باشد | نہار و لیل و بہر صبح و ہر مسا یا غوث
دوائے درد دل من طبیب کے داند | کہ ہست نام تو ام آیتہ شفا یا غوث
ز ذات پاک تو در ہر بلا مدد خواہم | ترا بخوانم و ہر دم کنم ندا یا غوث
نہ ارسد کہ رسانی زخاک بر فلکم | کہ ہست حکم تو از ارض تا سما یا غوث
رویم راہ حقیقت ز تو سوال کنیم | بہر مقام دیگہ بیم اعطنا یا غوث
زمانہ دفتنہ صبر و قرار ابتر کرد | نگاہ لطف باحوال زار ما یا غوث
بحضرت تو ہمیں عرض می کند رسوا | ز دست فتنہ تو داری نگہ مرا یا غوث

عربی زبان پر ادیبانہ دسترس رکھتے تھے اور نثر و نظم میں یکساں قدرت تھی۔ مولانا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں۔

"در السنہ ثلاثہ عربیہ و فارسیہ و ہندیہ بہ نظم و نثر چنداں قدرت و مہارت داشتند کہ مرتجلاً قصائد و خطب بلیغہ مشتمل بر صنائع و بدائع لفظیہ و معنویہ قلم بر داشتہ می نگاشتند غرضکہ در فنون شعر ہم یگانہ وقت بودند شعرائے مشاہیر زمانہ از جناب مولانا علیہ الرحمۃ استفادہ می نمودند اکثر کلام بلاغت نظام فصاحت التیام در مدح و منقبت حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ می بود ہر کہ می دید و می شنید حلاوت ایمانی و لذت عرفانی حاصل می نمود" (تحفہ فیض ۸۲)

ایک مرتبہ ولیم میور نے ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی ۱۸۶۳ء کے موقعہ پر قصیدہ کی فرمائش کی مولانا فیض احمد بدایونی نے رات بھر کوشش کی چند اشعار سے زیادہ نہ لکھ سکے خیال ہوا کہ یہ ایک ظالم دنیا کی مدح میں کوشش کی ذرا شیخ عبدالقادر جیلانی رض کی منقبت میں کچھ لکھوں[۱]۔

---

[۱] تحفہ فیض از مولانا عبدالقادر بدایونی و اکمل التاریخ جلد دوم از مولوی یعقوب حسین ضیاء القادری۔

اسی وقت لکھنا شروع کیا اور ایک ہی نشست میں ایک سو گیارہ اشعار کا قصیدہ مرتب کر لیا جو نہایت فصیح و بلیغ تھا اس سلسلہ میں مولانا عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں۔

"آنکہ روزے بخاطر داشت و اصرار یکے از شاگرداں (ولیم میور) ارادہ تالیف قصیدہ مدح یکے از حاکم دنیا (ملکہ وکٹوریہ) نمودہ بودند شب مجلی بالطبع نشستہ چند اشعار متعلق مدح او تصنیف ہم فرمودند کہ ناگاہ بعنایت الٰہیہ و توجہات حضور غوث رضی اللہ عنہ مولانا تحریر آں قصیدہ ناتمام را ترک نمودہ فوراً چاک ساختند و نیت کفارہ ہماں وقت و ہموں جلسہ تحریر قصیدہ اولیں ہدیہ قادریہ کہ مشتمل بر یکصد و یازدہ شعر باچناں صنائع لفظیہ و معنویہ قلم برداشتہ پرداختند و من بعد بعینہ قصائد ہدیہ قادریہ ہم در چند جلسہ تالیف نمودند و تصنیف فرمودند۔" (تحفہ فیض ص[۱])

اور ان قصائد عربیہ کی تعریف اعیان و مشاہیر بغداد نے کی اور آپ کی عربی نظم و نثر کو سراہا غرض مولانا پچھلی صدی میں برصغیر میں عربی کے صاحب طرز شاعر گزرے ہیں[۲] شعراء میں آپ کے مستفیض مولوی فضل الدین نیس، مولوی غلام شاہد فدا، مولوی احمد حسین وحشت، مولوی نیاز احمد نیاز اور مولوی اشرف علی نفیس وغیرہ مشہور لوگ ہوئے ہیں[۳] عربی کا ایک مختصر سا قصیدہ ہدیہ قادریہ سے نقل کیا جاتا ہے۔

ملک الوریٰ بکمالہ وھب الھدیٰ لرجالہ
مخلوق کے مالک ہوئے اپنے کمال سے۔ اپنے لوگوں کو ہدایت بخشی

سمح العلی لعیالہ قطر الندیٰ بنوالہ
بلندی عطا کی اپنی عیال کو برسائی عطا اپنی عطا سے

بضیائہ ببہائہ بفنائہ ببقائہ
قسم ہے انکی ضیا کی بہا کی فنا و بقا کی

بولائہ بوفائہ قسما بکل خصالہ
ولا کی وفا کی انکی ہر خصلت کی قسم ہے

---

[۱] تحفہ فیض ص[۲] [۲] العرب (عربی ماہنامہ کراچی) محرم و صفر ۱۳۷۷ھ

[۳] ان حضرات کے مختصر حالات اکمل التاریخ جلد اول اور تحفہ فیض، طوالع الانوار میں کم و بیش ایک ہی عبارت کے ساتھ درج ہیں۔

برع العوالم کلہا ملك المکارم جلہا

تمام عالم سے فائق ہوئے۔ تمام اچھی عادتوں کے مالک ہوئے

جمع المحاسن جمعہا بجمالہ وجلالہ

تمام خوبیوں کے جامع ہیں اپنے جمال و جلال سے

متعبد لالٰہہ ومقربٌ ومکرمٌ

اپنے خدا کے عبادت گذار ہیں مقرب ہیں مکرم ہیں

وسرور روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقرۃ اعین آلہ

خوشی ہیں روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھنڈک اپنی آل کے آنکھوں کی

خرق الحجاب فلا ہنالك حاجب وممانع

حجابات کو چاک کیا۔ وہاں نہ کوئی حاجب ہے نہ مانع

شرب الکئوس علی الکئوس مسرۃ بوصالہ

جام پہ جام پیے بطور مسرت وصال

ولہ الدہر مطیعۃٌ ولحکمہ لا ابیۃٌ

زمانہ ان کا مطیع اور ان کے حکم کا پابند ہے

والیہ مرجع کلہا بکمالہ وبحالہ

سب کا مرجع ان کی طرف ہے ان کے کمال اور حال سے

بلغ الاقاصی والادانی رشہم بحر فیوضہ

دور و نزدیک ان کے فیض کے دریا کے چھینٹے پہونچ چکے ہیں

اسفا علی اسفٍ علی متکبر وضلالہ

افسوس پر افسوس منکر پر اور اس کی گمراہی پر

واتاك عدۃ سائل وجماعۃ زمرۃ مائل

بہت سے سائل آپکے پاس آگئے بہت سے گروہ نے آپ سے مانگا

فعلمت مضمر حالہ وجبوت قبل سوالہ

اس کے پوشیدہ حال کو آپ نے جان لیا اور قبل سوال آپ نے عطا فرمایا

تصنیفات:- مولانا فیض احمد تصانیف کثیرہ کے مالک تھے طبیعت میں استغنا بدرجہ کمال تھا اکثر مسودات و تحریرات شاگرد لے گئے اور ان کی واپسی نہ ہوئی بعض مسودات غدر میں ضائع ہو گئے اس طرح اکثر تصانیف مشہور نہ ہو سکیں۔ آپکی تصانیف سے علم کلام میں رسالہ تعلیم الجاہل ہے جو شاہ محمد اسحٰق دہلوی کی کتاب تفہیم المسائل کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ حاشیہ شرح ہدایت الحکمۃ صدرا شیرازی نیز تعلیقات علی فصوص الفارابی ہیں اس کے علاوہ مجموعہ نثر و قصائد عربیہ موسومہ بہ تحفہ قادریہ ہے۔ یہ بے مثل خزینہ و گنجینہ کمالات ہے۔ اس میں ایکہزار ایک سو گیارہ نثر کے فقرے ہیں اور اسی طرح ایکہزار ایکسو گیارہ اشعار عربی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رض کی منقبت میں ہیں ہدیہ قادریہ مولانا عبد المقتدر بدایونی کے مقدمہ اور حاشیہ کے ساتھ ۱۳۰۳ھ میں مطبع نسیم سحر بدایوں سے شائع ہو گیا ہے۔ ہدیہ قادریہ کی طباعت کے بعد ہی بعض حضرات کے اصرار پر مولانا عبد القادر بدایونی نے ان کے حالات میں تحفۂ فیض مرتب کیا جو کہ فخر المطابع میرٹھ سے طبع ہوا ہے

اولاد:- مولانا فیض احمد بدایونی کو ان کے ماموں مولانا فضل رسول کی صاحبزادی منسوب تھیں جن سے صرف ایک صاحبزادے مولانا حکیم سراج الحق تھے جو کہ ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۲۶ھ کو پیدا ہوئے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد مولانا فیض احمد مولانا نور احمد بدایونی سے حاصل کئے طب حکیم مولانا فضل رسول بدایونی سے پڑھی معقول، فلسفہ، ریاضی میں مہارت تامہ حاصل کی۔ طب میں کمال خصوصی حاصل تھا بوارق محمدیہ مصنفہ حضرت مولانا فضل رسول کے خاتمہ میں قاضی معین الدین کیفی میرٹھی لکھتے ہیں۔

> "تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ از والد ماجد خود فرمودہ اند امام عصر و علامہ دہر ہستند در جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ ید طولیٰ دارند بالخصوص در فن طب اگر شیخ وقت گفتہ آید بجا است تالیفات جناب ممدوح بسیار از آنجملہ شرح رسائل معمیات بہاء الدین عاملی است حاشیہ معتقد المنتقد سراج الحکمۃ در طبعیات و دیگر رسائل متعددہ در فن طب قصائد بلیغہ عربی و فارسی بسیار اند بسیار اند"

اکثر آپ رؤساء رامپور و حرم پور کی مصاحبت و ملازمت میں رہے ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ ۷۶ برس

عمر میں دانپور میں انتقال کیا۔ صاحب تصنیف تھے شرح رسائل معمیات بہاؤالدین عاملی مطبوعہ ہے طبیعات میں شرح رسالہ المنتقد المنتقد لکھی عربی نظم میں مثل اپنے والد کے مہارت کامل رکھتے تھے۔ صاحب درس تھے۔ آپ کے شاگردوں میں مطیع احمد نقوی نقانی بدایونی، مولانا عاشق حسین بدایونی (چاہ میر) مولوی باقر علی بدایونی، مولوی میر نذر علی بدایونی، مولوی تفضل حسین گڈھ مکتیشری مولوی محمد حسین سیوہاردی، حکیم محمد حسین سہوانی، سید اولاد حسین، حکیم تصور علی صاحب اکبرآبادی، مولوی مقبول حسین مشہور مفسر مذہب امامیہ مولوی محمد حسین بٹالوی (سرگروہ جماعت اہلحدیث) مولوی جمال الدین پنجابی اور سید عبداللہ کابلی وغیرہ مشہور لوگ ہوئے ہیں حکیم سراج الحق کے ایک صاحبزادے منیر الحق اور ایک دختر تھیں۔ منیر الحق ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ نہایت طباع و ذہین تھے۔ مدرسہ قادریہ بدایوں میں تحصیل علم کی درس نظامی کی تکمیل بہت تھوڑے عرصہ میں کر لی۔ ۱۲۹۹ھ میں اپنے والد کے ہمراہ حج کو گئے آخری ایام حج میں مکہ معظمہ میں ۱۸ سال کی عمر میں انتقال کیا اس طرح مولانا فیض احمد بدایونی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ حکیم سراج الحق کی لڑکی کا سلسلہ اولاد موجود ہے یہ لڑکی عبدالحق ولد مولوی انوار الحق عثمانی (صاحب لوائح الانوار) سے منسوب تھیں۔ عبدالحق کے صاحبزادے حکیم ظہور الحق قادری ہوئے جو کہ پیر الٰہی بخش کالونی میں رہتے ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ مولانا سراج الحق نے آخر میں حکیم افتخار الحق کو اپنے آغوش تربیت میں مثل اولاد کے پرورش کیا۔ یہ بڑے نامی طبیب ہوئے لکھنؤ میں مطب کیا۔ مولانا حکیم سراج الحق کے ذخیرہ کتب و تصنیفات کے مالک بھی یہی ہوئے۔ آخر میں تصوف کا غلبہ ہو گیا تھا اور الہ آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں انتقال ہوا۔

ز - ۹
۴۲

خاتمہ:۔ یہ داستان حیات ہے مولانا فیض احمد بدایونی کی جنہوں نے ملک و ملت کی آزادی کے لئے نہ صرف مصائب و آلام جھیلے بلکہ جان عزیز تک قربان کر دی اور جیتے جی انگریز کو منہ نہ دکھایا انہیں مجاہدین کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ ایک صدی کے بعد برصغیر آزاد ہوا اور مسلمانوں کا نیا ملک پاکستان وجود میں آیا۔

تمام شد